تاریخ مخزن پاکستان

محمد بخش نول اپنی فانی زندگی میں وہ عظیم تجزیاتی کام کر رہے ہیں جو لوگوں کی اکثریت شائد دس بارہ زندگیوں میں کرنے سے قاصر ہو۔ بہاولپور میں مقیم اس شخص نے وہ علمی کارنامہ انجام دے ڈالا جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ اس دور میں جب لکھنے والے سیاست اور سیاستدانوں کے سوا سنجیدہ موضوعات سے اجتناب کرتے ہیں، نول صاحب پورے پاکستان کے ایک ایک شہر' قریہ' قصبے اور دیہات میں خود گئے۔ دشوار گزار ترین سفر کیے اور ہر اعتبار سے جامع معلومات اکٹھی کی۔ حیرت ہوتی ہے کہ حد درجہ محدود وسائل کے باوجود' اس انسان کے تجسس اور جذبے نے' اسے چین سے بیٹھنے نہ دیا بلکہ وہ مسلسل سفر میں ہی رہے۔ حد تو یہ ہے کہ پختہ عمر بھی ان کا علمی راستہ نہ روک پائی۔ تاریخ مخزن پاکستان تین ضخیم جلدوں پر محیط ہے۔ جلد اول چند ماہ پہلے آ چکی تھی اور اس پر طالب علم نے کالم' تحریر بھی کیا تھا۔ مگر چند دن قبل اس کتاب کی جلد دوم اور جلد سوئم بھی موصول ہوئی۔ قلم فاؤنڈیشن کو اعزاز حاصل ہے کہ' اس نے ان تمام جلدوں کو حد درجہ محنت سے شائع کیا۔ یہاں عبدالستار عاصم صاحب کا ذکر نہ کرنا زیادتی ہوگی۔ وہ قلم فاؤنڈیشن کی روح رواں، شائستہ اور نفیس انسان ہیں۔

ویسے اتنی ضخیم کتابوں پر کچھ لکھنا حد درجہ مشکل کام ہے۔ مگر کچھ نہ لکھنا بھی غلط ہوگا۔ دونوں جلدوں سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔ بلوچستان کے عظیم شہر لورالائی سے شروع کرتا ہوں۔ جہاں مجھے دو برس ڈپٹی کمشنر رہنے کا نادر موقع ملا۔ آج بھی اس خطے کے لئے دل میں محبت اور احترام موجود ہے۔ نول صاحب' لورالائی کے متعلق رقم دراز ہیں۔

لورالائی کی تاریخ نہایت قدیم ہے۔ 1383ء میں جب امیر تیمور نے قندھار فتح کیا تو اس کے پوتے پیر محمد نے آگے بڑھ کر لورالائی پر اپنی عملداری قائم کر لی اور ڈیڑھ صدی تک تیمور خاندان کا اقتدار رہا۔ 1470ء میں ہرات کے حکمران سلطان حسین مرزا کے ہاتھ میں لورالائی کا اقتدار آ گیا۔ 1480 میں امیر شجاع الدین نے ذوالنون کو یہاں کا حاکم مقرر کیا۔ 1505ء میں شاہ بیگ خان اپنے والد کی جگہ پر برسر اقتدار آیا تو اس نے کابل کی فتح کے بعد ہندوستان کا رخ کیا اور واپسی پر سخی سرور کے راستے آیا اور تھل چوٹیالی کو فتح کیا۔ بابر نے بھی دکی کے نزدیک ایک ندی کے ساحل پر پڑاؤ کیا۔ 1545ء میں میر سید علی دکی کا حکمران تھا' 1559ء تک قندھار دہلی سلطنت کے ساتھ تھا۔

1622ء میں صفوی حکمرانوں نے پشین اور دکی میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس وقت شیر خان ترین سردار تھا' گورنر قندھار علی مروان خان نے دکی پر حملہ کر کے دکی اور چوٹیالی پر قبضہ کر لیا۔ شاہ جہاں کے دور میں شہزادہ داراشکوہ ایک لشکر لے کر دکی اور پشین کے راستے قندھار پر حملہ آور ہوا لیکن حملہ ناکام رہا اور وہ واپس دہلی چلا گیا۔ 1747ء کے بعد احمد شاہ ابدالی نے تھل چوٹیال اور دکی کو فتح کر کے خراج وصول کیا۔

1826ء میں درانی حکومت بارکزئی حکمرانوں کے پاس چلی گئی' 1879ء تک علاقہ لورالائی دوست محمد کے تسلط میں رہا۔ 25 مئی 1879ء کو دکی اور تھل چوٹیالی پر انگریزوں نے اقتدار حاصل کر لیا۔ بیسویں صدی کے شروع میں تحریک آزادی کا آغاز ہو چکا تھا۔ 1936ء میں مولانا ظفر علی خان لورالائی تشریف لائے' ان کے ساتھ غلام محمد ترین اور قاضی محمد عیسیٰ تھے۔ یہ لوگ چودھری مولا بخش کے مہمان تھے۔ مسجدوں میں خطاب کیا اور مسلم لیگ کی شاخ قائم کی۔ سردار یار محمد خان اور حاجی صورت خان مسلم لیگ کے ابتدائی قائدین تھے۔ زرک خان لورالائی کے حریت پسند لیڈر تھے' انہوں نے انگریزوں کے خلاف گوریلا جنگ لڑی۔ ان کی گرفتاری پر اس زمانے میں ایک لاکھ روپے انعام تھا۔ جو آج 2016ء میں پچاس کروڑ کے برابر ہے لیکن پھر بھی انگریز حکومت گرفتار نہ کر سکی۔ یہ مجاہد جولائی 1966 میں اللہ کو پیارا ہوا۔

اب بیان کچھ شکر گڑھ کا ہو جائے۔ شکر گڑھ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں روایت ہے کہ یہاں پر ہندو راجہ کی دو بیٹیاں تھیں، ان میں ایک کا نام شکری اور دوسری کا نام گری تھا۔ ایک نالہ بیئس کے مشرقی جانب اور دوسری مغربی جانب رہتی تھی۔ بعد ازاں دونوں موجودہ مقام پر اکٹھی رہنے لگی۔ اس وجہ سے اس بستی کا نام شکری گڑی مشہور ہوا جو شکر گڑھ میں تبدیل ہو گیا۔ دوسری روایت کے مطابق یہاں پر نیشکر بکثرت پیدا ہوتا تھا جس سے شکر اور گڑ کی بڑی منڈی بن گئی' وہیں شکر گڑ سے شکر گڑھ نام مشہور ہوا۔

مفتی غلام سرور قریشی تاریخ مخزن پنجاب میں لکھتے ہیں۔ ضلع گورداس پور میں بھی ایک قصبہ اور پرگنہ کا صدر مقام ہے۔ شکر گڑھ اصل میں ایک قلعہ کا نام ہے۔ جو پہلے کوٹلی کہلاتا تھا۔ یہ قلعہ سردار حقیقت سنگھ نے بنوایا تھا جو سکھ تسلط کے آغاز میں قابض ہوا تھا، پھر سردار دان سندیا نوالیہ کی جاگیر میں شامل تھا۔ 1810ء میں اس علاقے کو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنی سلطنت میں شامل کیا' راجہ رنجیت سنگھ کی تین بیویوں کا تعلق شکر گڑھ سے تھا۔ ایک رانی مہتاب کور کا تعلق بھا بھڑہ گاؤں سے تھا، دوسری بیوی راج دیوی کا تعلق دونہرا سے تھا، تیسری بیوی رانی دیوی گاؤں انتو والی کی رہائشی تھی۔

شکر گڑھ کے معروف شاعر' حکیم محمد ارشد کا ذکر کچھ ان الفاظ میں کیا ہے۔ ادب میں حکیم محمد ارشد شہزاد محلّہ رشید پورہ کا نمایاں نام ہے۔ پنجابی کی کئی بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کر چکے ہیں۔ ان کی کتب کا گورمکھی پنجابی میں ترجمہ چھپ چکا ہے۔ ان کی کتب کی پٹیالہ سے لے کر اوٹاوا کینڈا تک مانگ ہے۔ ان کا ایک مشہور معروف شعر ہے۔

کدھرے ارشد مینوں چھاں نہ لبھی ائے
سر تے دھپ دا تنبو تان کے بہ گئے آں

ایک اور جگہ اپنے نظریات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

جتھے مسلک دی پابندی نہ ہووے
انج دی اک میت بنانی چاہنا واں

کے پی کے شہر گڑھی حبیب اللہ کا ذکر ذرا سنئے۔ یہ قصبہ حبیب اللہ خان سواتی نے آباد کیا تھا۔ اسی کے نام پر گڑھی حبیب اللہ نام رکھا گیا۔ جو 1845ء میں مظفر آباد کی جنگ میں مارا گیا۔ اس نے گڑھی حبیب اللہ کے گرد ایک چھوٹا قلعہ بنایا تھا جسے سکھ حکومت نے فتح کر کے اسے اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ انگریز حکمرانوں نے سمندر خان نامی شخص کو اس قصبے کا حاکم بنا دیا اور اسے نو ہزار ایک سو بارہ روپے کی جاگیر عطا کی' وہ آنریری مجسٹریٹ بھی تھا۔ 1901ء میں یہاں کا جاگیردار خان محمد حسین خان تھا' 1871ء میں گڑھی حبیب اللہ کی آبادی ایک ہزار چار سو تیس افراد پر مشتمل تھی۔ ایک ہی بازار تھا جس میں ہندوؤں کا کاروبار تھا۔

مسلمانوں نے تحریک خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ 1928ء میں ضلع سکھر خلافت کمیٹی کے صدر مولانا ابوالحسن تاج محمود امروٹی اور جنرل سیکرٹری سید محبوب علی شاہ تھے جب کہ سکھر خلافت کمیٹی کے صدر وڈیرہ یار محمد بھٹو اور سیکرٹری جنرل حکیم عبدالحق تھے۔ اس دوران مہاتما گاندھی پہلی بار 1922ء اور دوسری بار 1929ء میں سکھر آئے اور جلسوں سے خطاب کیا۔ سکھر میں مسلم لیگ 1941ء میں قائم ہوئی جس کے صدر میاں رسول بخش اور جنرل سیکرٹری سید محبوب علی شاہ تھے۔ 1946ء کے الیکشن میں سردار قیصر خان بزدار' آغا بدرالدین درانی' رحیم بخش سومرو' پیرزادہ عبدالستار اور سردار علی گوہر خان مہر مسلم لیگ کی طرف سے سندھ اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ 14 اگست 1947ء کو قیام پاکستان کے بعد ہندوؤں کی اکثریتی آبادی بھارت منتقل ہو گئی، ان کی جگہ مسلمان بے گھر ہو کر سکھر میں آباد ہوئے' اس نقل مکانی میں دونوں اطراف کا بہت زیادہ نقصان ہوا۔

محمد بخش نول صاحب نے جس طرح ہمارے عظیم ملک کے قریہ قریہ کو اس عظیم علمی نسخہ میں محفوظ کیا ہے' وہ بذات خود ایک نایاب امر ہے۔ صرف خدا ہی انہیں اس کاوش کا انعام دے سکتا ہے۔ اس علم دشمن معاشرے نے ان کی کیا قدر کرنی ہے!